سُورۃ الضُّحٰی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

وَالضُّحٰی ○ وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ○ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ○

قرآن کریم میں ایک مقام پر رات کی قَسم کھائی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ اس وقت کی قسم ہے جب وحی کا سلسلہ بند تھا۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ وہ مقام ہے جو ان لوگوں کے لئے جو سلسلۂ وحی سے افاضہ حاصل کرتے ہیں آتا ہے۔ وحی کے سلسلہ سے شوق اور محبّت بڑھتی ہے لیکن مفارقت میں بھی ایک کشش ہوتی ہے جو محبّت کے مدارجِ عالیہ پر پہنچاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کو بھی ایک ذریعہ قرار دیا ہے کیونکہ اس سے قلق اور کَرب میں ترقّی ہوتی ہے اور رُوح میں ایک بیقراری اور اِضطراب پَیدا ہوتا ہے جس سے وہ دعاؤں کی رُوح اس میں نفخ کی جاتی ہے کہ وہ آستانۂ الوہیّت پر یارب یارب کہہ کر اور بڑے جوش اور شوق اور جذبہ کے ساتھ دوڑتی ہے جیساکہ ایک بچّہ جو تھوڑی دیر کے لئے ماں کی چھاتیوں سے الگ رکھا گیا ہو بے اختیار ہو کر ماں کی طرف دوڑتا اور چلّاتا ہے اسی طرح پر بلکہ اس سے بھی بیحد اضطراب کے ساتھ رُوح اللہ کی طرف دوڑتی ہے اور اس دوڑ دھوپ اور قلق وکرب میں وہ لذّت اور سرور ہوتا ہے جس کو ہم بیان نہیں کرسکتے۔ یاد رکھو رُوح میں جس قدر اضطراب اور بیقراری خدا تعالیٰ کے لئے ہوگی اسی قدر دعاؤں کی توفیق ملے گی اور اُن میں قبولیت کا نفخ ہوگا۔ غرض یہ ایک زمانہ ماموروں اور مُرسلوں اور اُن لوگوں پر جن کے ساتھ مکالماتِ الٰہیّہ کا ایک تعلق ہوتا ہے آتا ہے اور اس سے غرض اللہ تعالیٰ کی یہ ہوتی ہے کہ تا اُن کو محبّت کی چاشنی اور قبولیّتِ دُعا کے ذوق سے حصّہ دے اور اُن کو اعلیٰ مدارج پر پہنچا دے۔ تو یہاں جو ضُحٰی اور لَیل کی قَسم کھائی اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مدارجِ عالیہ اور مراتبِ محبّت کا اظہار ہے اور آگے پیغمبرِ خدا کا ابراء کیا کہ دیکھو دن اور رات جو بنائے ہیں ان میں کس قدر وقفہ ایک دوسرے میں ڈال دیا ہے۔ ضُحٰی کا وقت بھی دیکھو اور تاریکی کا وقت بھی خیال کرو۔

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ ۔ خدا تعالیٰ نے تجھے رخصت نہیں کر دیا۔ اُس نے تجھ سے کینہ نہیں کیا بلکہ ہمارا یہ ایک قانون ہے جیسے رات اور دن کو بنایا ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی ایک قانون ہے کہ بعض وقت وحی کو بند کر دیا جاتا ہے تاکہ ان میں دعاؤں کے لئے زیادہ جوش پیدا ہو۔ اور ضحیٰ اور لَیل کو اِس لئے بطور شاہد بیان فرمایا تا آپؐ کی امید وسیع ہو اور تسلّی اور اطمینان پیدا ہو مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان قسموں کے بیان کرنے سے اصل مدّعا یہ رکھا ہے کہ تا بدیہات کے ذریعہ نظریات کو سمجھا دے۔ اب سوچ کر دیکھو کہ یہ کیسا پُر حکمت مسئلہ تھا مگر ان بدبختوں نے اس پر بھی اعتراض کر دیا۔

چشمِ بد اندیش کہ برکندہ باد ❊ عیب نماید ہنرش در نظر

اِن قسموں میں ایسا فلسفہ بھرا ہُوا ہے کہ حکمت کے ابواب کھُلتے ہیں۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۲۱، ۲۲ - جون ۱۹۰۱ء)

وحیِ الٰہی کا یہ قاعدہ ہے کہ بعض دنوں میں تو بڑے زور سے بار بار الہام پر الہام ہوتے ہیں اور الہاموں کا ایک سلسلہ بندھ جاتا ہے اور بعض دنوں میں ایسی خاموشی ہوتی ہے کہ معلوم نہیں ہوتا کہ اِس قدر خاموشی کیوں ہے اور نادان لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اَب خدا تعالیٰ نے ان سے کلام کرنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایک زمانہ ایسا ہی آیا تھا کہ لوگوں نے سمجھا کہ اَب وحی بند ہو گئی چنانچہ کافروں نے ہنسی شروع کی کہ اب خدا نعوذ باللہ ہمارے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ناراض ہو گیا ہے اور اب وہ کلام نہیں کرے گا لیکن خدا تعالیٰ نے اس کا جواب قرآن شریف میں اِس طرح دیا ہے کہ وَالضُّحٰی ۔ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۔ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی یعنی قسم ہے دُھوپ چڑھنے کے وقت کی اور رات کی۔ نہ تو تیرے رَبّ نے تجھ کو چھوڑ دیا اور نہ تجھ سے ناراض ہُوا۔ اِس کا یہ مطلب ہے کہ جیسے دن چڑھتا ہے اور اس کے بعد رات خود بخود آ جاتی ہے اور پھر اس کے بعد دن کی روشنی نمودار ہوتی ہے اور اس میں خدا تعالیٰ کی خوشی یا ناراضگی کی کوئی بات نہیں۔ یعنی دن چڑھنے سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ اس وقت اپنے بندوں پر خوش ہے اور نہ رات پڑنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر ناراض ہے۔ بلکہ اِس اختلاف کو دیکھ کر ہر ایک عقلمند خوب سمجھ سکتا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق ہو رہا ہے اور یہ اس کی سُنّت ہے کہ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن ہوتا ہے۔ پس اِس سلسلہ کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا کہ اِس وقت خدا تعالیٰ خوش ہے اور اِس وقت ناراض ہے غلط ہے۔

اِسی طرح سے آجکل جو وحیِ الٰہی کا سلسلہ کسی قدر بند رہا ہے تو اِس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ مجھ سے ناراض ہو گیا ہے یا یہ کہ اس نے مجھے چھوڑ دیا ہے بلکہ یہ اس کی سُنّت ہے کہ کچھ مدّت تک وحیِ الٰہی

بڑے زور سے اور پے در پے ہوتی ہے اور کچھ دنوں تک اس کا سلسلہ بند رہتا ہے اور پھر شروع ہو جاتا ہے اور اس کی بھی وہی مثال ہے جو دن اور رات کے آگے پیچھے آنے کی ہے۔

(بدر جلد ۶ نمبر ۵۲ مورخہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۳)

مجھے روزِ روشن کی قسم ہے اور اُس رات کی جو تاریک ہو جو تیرے رَبّ نے تجھے دشمن نہیں پکڑا۔

(تبلیغ رسالت (مجموعہ اشتہارات) جلد دہم صفحہ ۱۲۰)

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى۔ خدا نے تجھ کو ترک نہیں کیا اور نہ وہ تجھ پر ناراض ہے۔

(براہین احمدیہ صفحہ ۵۵۸ حاشیہ)

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۞ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۞ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۞ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۞ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۞ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۞

اٰوٰی کا لفظ زبانِ عرب میں ایسے موقع پر استعمال ہوتا ہے کہ جب کسی شخص کو کسی قدر مصیبت یا ابتلاء کے بعد اپنی پناہ میں لیا جائے اور کثرتِ مصائب اور تلف ہونے سے بچایا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى۔ اسی طرح قرآن شریف میں اٰوٰی اور اٰوی کا لفظ ایسے ہی موقعوں پر استعمال ہوا ہے کہ جہاں کسی شخص یا کسی قوم کو کسی قدر تکلیف کے بعد پھر آرام دیا گیا۔

(تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶ حاشیہ)

اٰوٰی کے معنے تمام لُغت کی کتابوں میں یہی لکھے ہیں کہ کسی مصیبت کے بعد پناہ دینا۔ قرآن مجید میں بھی اِنہی معنوں میں استعمال ہُوا ہے۔ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى۔ (بدر جلد ۶ نمبر ۹ مورخہ ۲۸ر فروری ۱۹۰۸ء صفحہ ۶)

جو شخص قرآن کریم کے اسالیبِ کلام کو بخوبی جانتا ہے اُس پر یہ پوشیدہ نہیں کہ بعض اَوقات وہ کریم و رحیم جلّ شانہٗ اپنے خواص عباد کے لئے ایسا لفظ استعمال کر دیتا ہے کہ بظاہر بدنما ہوتا ہے مگر معنًا نہایت محمود اور تعریف کا کلمہ ہوتا ہے جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے نبی کریمؐ کے حق میں فرمایا وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى۔ اب ظاہر ہے کہ ضال کے معنے مشہور اور متعارف جو اہلِ لُغت کے مُنہ پر چڑھے ہوئے ہیں گمراہ کے ہیں جس کے اعتبار سے آیت کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے (اے رسول اللہؐ) تجھ کو گمراہ پایا اور ہدایت دی۔

حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی گمراہ نہیں ہوئے اور جو شخص مسلمان ہو کر یہ اعتقاد رکھے کہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر میں ضلالت کا عمل کیا تھا تو وہ کافر بے دین اور حدِ شرعی کے لائق ہے بلکہ آیت کے اس جگہ وہ معنی لینے چاہیئے جو آیت کے سیاق اور سباق سے ملتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۔ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۔ یعنی خدا تعالیٰ نے تجھے یتیم اور بیکس پایا اور اپنے پاس جگہ دی اور تجھ کو ضال (یعنی عاشق وجہ اللہ) پایا پس اپنی طرف کھینچ لایا اور تجھے درویش پایا پس غنی کر دیا۔ ان معنوں کی صحت پر یہ ذیل کی آیتیں قرینہ ہیں جو ان کے بعد آتی ہیں یعنی یہ کہ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۔ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۔ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۔ کیونکہ یہ تمام آیتیں لَف نشر مرتب کے طور پر ہیں اور پہلی آیتوں میں جو مدّعا مخفی ہے دوسری آیتیں اس کی تفصیل اور تصریح کرتی ہیں مثلاً پہلے فرمایا اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۔ اس کے مقابل پر فرمایا فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ یعنی یاد کر کہ تُو بھی یتیم تھا اور ہم نے تجھ کو پناہ دی ایسا ہی تُو بھی یتیموں کو پناہ دے۔ پھر بعد اس آیت کے فرمایا وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۔ اس کے مقابل پر فرمایا وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ یعنی یاد کر کہ تُو بھی ہمارے وصال اور جمال کا سائل اور ہمارے حقائق اور معارف کا طالب تھا سو جیسا کہ ہم نے باپ کی جگہ ہو کر تیری جسمانی پرورش کی ایسا ہی ہم نے استاد کی جگہ ہو کر تمام دروازے علوم کے تجھ پر کھول دیئے اور اپنے لقاء کا شربت سب سے زیادہ عطا فرمایا اور جو تُو نے مانگا سب ہم نے تجھ کو دیا سو تُو بھی مانگنے والوں کو رَدّ مت کر اور ان کو مت جھڑک اور یاد کر کہ تُو عائل تھا اور تیری معیشت کے ظاہری اسباب بکلّی منقطع تھے سو خدا خود تیرا متولّی ہوا اور غیروں کی طرف حاجت لے جانے سے تجھے غنی کر دیا۔ نہ تُو والد کا محتاج ہوا نہ والدہ کا۔ نہ استاد کا اور نہ کسی غیر کی طرف حاجت لے جانے کا بلکہ یہ سارے کام تیرے خدا تعالیٰ نے آپ ہی کر دیئے اور پیدا ہوتے ہی اُس نے تجھ کو آپ سنبھال لیا سو اُس کا شکر بجالا اور حاجت مندوں سے تُو بھی ایسا ہی معاملہ کر۔ اَب ان تمام آیات کا مقابلہ کر کے صاف طور پر کھلتا ہے کہ اس جگہ ضال کے معنے گمراہ نہیں ہے بلکہ انتہائی درجہ کے تعشق کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ حضرت یعقوبؑ کی نسبت اس کے مناسب یہ آیت ہے اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ[1] سو یہ دونوں لفظ ظلم اور ضلالت اگرچہ ان معنوں پر بھی آتے ہیں کہ کوئی شخص جادۂ اعتدال اور انصاف کو چھوڑ کر اپنے شہوات غضبیہ یا بہیمیہ کا تابع ہو جاوے لیکن قرآن کریم میں عشّاق کے حق میں بھی آئے ہیں جو خدا تعالیٰ کے راہ میں عشق کی مستی میں

---

[1] سورۃ یوسف : ۹۶

اپنے نفس اور اُس کے جذبات کو پیروں کے نیچے کچل دیتے ہیں اِسی کے مطابق حافظ شیرازی کا یہ شعر ہے ؎

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید ❊ قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

اِس دیوانگی سے حافظ صاحب حالتِ تعشّق اور شدّت حرص اطاعت مراد لیتے ہیں۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۱۷۰ تا ۱۷۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مہدی تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اَور نبیوں کی طرح ظاہری علم کسی استاد سے نہیں پڑھا تھا مگر حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ مکتبوں میں بیٹھے تھے اور حضرت عیسیٰؑ نے ایک یہودی استاد سے تمام توریت پڑھی تھی۔ غرض اِس لحاظ سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی استاد سے نہیں پڑھا خدا آپ ہی استاد ہؤا اور پہلے پہل خدا نے ہی آپؐ کو اِقْرَاْ کہا یعنی پڑھ اَور کسی نے نہیں کہا۔ اِس لئے آپؐ نے خاص خدا کے زیرِ تربیت تمام دینی ہدایت پائی اور دوسرے نبیوں کے دینی معلومات انسانوں کے ذریعہ سے بھی ہوئے۔

(ایام الصلح صفحہ ۱۴۷)

ضلالت کے یہ بھی معنے ہیں کہ افراطِ محبت سے ایک شخص کو ایسا اختیار کیا جائے کہ دوسرے کا عزت کے ساتھ نام سُننے کی بھی برداشت نہ رہے جیسا کہ اِس آیت میں بھی یہی معنے مراد ہیں کہ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ۔

(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۰۴ حاشیہ)

بعض آدمیوں کی عادت ہوتی ہے کہ سائل کو دیکھ کر چڑ جاتے ہیں اور کچھ مولویت کی رَگ ہو تو اُس کو بجائے کچھ دینے کے سوال کے مسائل سمجھانا شروع کر دیتے ہیں اور اس پر اپنی مولویت کا رُعب بٹھا کر بعض اَوقات سخت سُست بھی کہہ بیٹھتے ہیں۔ افسوس ان لوگوں کو عقل نہیں اور سوچنے کا مادہ نہیں رکھتے جو ایک نیک دِل اور سلیم الفطرت انسان کو ملتا ہے۔ اِتنا نہیں سوچتے کہ سائل اگر باوجود صحت کے سوال کرتا ہے تو وہ خود گناہ کرتا ہے۔ اُس کو کچھ دینے میں تو گناہ لازم نہیں آتا بلکہ حدیث شریف میں لَوْ اَتَاكَ رَاكِبًا کے الفاظ آئے ہیں یعنی خواہ سائل سوار ہو کر بھی آوے تو بھی کچھ دے دینا چاہیئے۔ اور قرآن شریف میں وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ کا ارشاد آیا ہے کہ سائل کو مت جھڑک۔ اِس میں یہ کوئی صُراحت نہیں کی گئی کہ فلاں قِسم کے سائل کو مت جھڑک اور فلاں قِسم کے سائل کو جھڑک۔ پس یاد رکھو کہ سائل کو نہ جھڑکو کیونکہ اِس سے ایک قِسم کی بداخلاقی کا بیج بویا جاتا ہے۔ اَخلاق یہی چاہتا ہے کہ سائل پر جلد ہی ناراض نہ ہو۔ یہ شیطان کی خواہش ہے کہ وہ اِس طریق سے تم کو نیکی سے محروم رکھے اور بدی کا وارث بنا دے۔

غور کرو کہ ایک نیکی کرنے سے دوسری نیکی پیدا ہوتی ہے اور اِسی طرح پر ایک بَدی دوسری بَدی کا موجب

ہو جاتی ہے۔ جیسے ایک چیز دوسری کو جذب کرتی ہے اسی طرح خدا تعالیٰ نے یہ تجاذب کا مسئلہ ہر فعل میں رکھا ہؤا ہے۔ پس جب سائل سے نرمی کے ساتھ پیش آئے گا اور اس طرح یہ اخلاقی صدقہ دے دیگا تو قبض دُور ہو کر دوسری نیکی بھی کرے گا اور اس کو کچھ دے بھی دے گا۔ (الحکم جلد ۴ ۲۵ مورخہ ۹ ؍جولائی ۱۹۰۰ء صفحہ ۲)

کیا تمہیں خبر نہیں کہ تمہیں تو یہ حکم دیا وَ اَمَّا السَّآىِٕلَ فَلَا تَنْهَرْ اور سائل خواہ گھوڑے پر ہی سوار ہو کر آیا ہو پھر بھی واجب نہیں کہ اس کو ردّ کیا جاوے۔ تیرے لئے یہ حکم ہے کہ تُو اس کو جھڑک نہیں۔ ہاں خدا تعالیٰ نے اس کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ سوال نہ کرے۔ وہ اپنی خلاف ورزی کی خود سزا پالے گا لیکن تمہیں یہ مناسب نہیں کہ تم خدا تعالیٰ کے ایک واجب العزت حکم کی نافرمانی کرو۔ غرض اس کو کچھ دے دینا چاہیئے اگر پاس ہو اور اگر پاس نہ ہو تو نرم الفاظ سے اُس کو سمجھا دو۔ (الحکم جلد ۴ ۳۴ مورخہ ۲۴ ؍ستمبر ۱۹۰۰ء صفحہ ۵)

یہ عاجز بحکم وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ اِس بات کے اظہار میں کچھ مضائقہ نہیں دیکھتا کہ خداوند کریم و رحیم نے محض فضل و کرم سے ان تمام امور سے اِس عاجز کو حصہ وافر دیا ہے اور اِس ناکارہ کو خالی ہاتھ نہیں بھیجا اور نہ بغیر نشانوں کے مامور کیا بلکہ یہ تمام نشان دئے ہیں جو ظاہر ہو رہے ہیں اور ہوں گے اور خدائے تعالیٰ جب تک کھلے طور پر حُجّت قائم نہ کرے تب تک ان نشانوں کو ظاہر کرتا جائے گا۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۴۴۸، ۴۴۹)

ہر ایک نعمت جو خدا سے تجھے پہنچے اُس کا ذکر لوگوں کے پاس کر۔ (ایام الصلح صفحہ ۱۲۴)

عجز و نیاز اور انکسار ..... ضروری شرط عبودیت کی ہے لیکن بحکم آیتِ کریمہ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ نعماءِ الٰہی کا اظہار بھی ازبس ضروری ہے۔

(مکتوباتِ احمدیہ جلد ۵ حصہ دوم صفحہ ۴۶ (مکتوب ۴۱ بنام حضرت خلیفہ اوّلؓ)

یاد رکھو کہ اِنسان کو چاہیئے کہ ہر وقت اور ہر حالت میں دعا کا طالب رہے اور دوسرے اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ پر عمل کرے۔ خدا تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کی تحدیث کرنی چاہیئے اس سے خدا تعالیٰ کی محبّت بڑھتی ہے اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے ایک جوش پیدا ہوتا ہے۔ تحدیث کے یہی معنے نہیں ہیں کہ انسان صرف زبان سے ذکر کرتا رہے بلکہ جسم پر بھی اس کا اثر ہونا چاہیئے۔ مثلاً ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے کہ وہ عمدہ کپڑے پہن سکتا ہے لیکن وہ ہمیشہ مَیلے کچیلے کپڑے پہنتا ہے اِس خیال سے کہ وہ واجب الرحم سمجھا جاوے یا اس کی آسودہ حالی کا حال کسی پر ظاہر نہ ہو ایسا شخص گناہ کرتا ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے فضل اور کرم کو چھپانا چاہتا ہے اور نفاق سے کام لیتا ہے۔ دھوکہ دیتا ہے اور مغالطہ میں ڈالنا چاہتا ہے یہ مومن کی شان سے بعید ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کا مذہب مُشترک تھا۔ آپؐ کو جو ملتا تھا پہن لیتے تھے۔ اِعراض نہ کرتے تھے۔ جو کپڑا پیش کیا جاوے اُسے قبول کر لیتے تھے لیکن آپؐ کے بعد بعض لوگوں

نے اس میں تواضع دیکھی کہ رہبانیت کی جزو ملا دی بعض درویشوں کو دیکھا گیا کہ گوشت میں خاک ڈال کر کھاتے تھے۔ ایک درویش کے پاس کوئی شخص گیا اُس نے کہا کہ اس کو کھانا کھلا دو۔ اُس شخص نے اصرار کیا کہ مَیں تو آپ کے ساتھ کھاؤں گا آخر جب وہ درویش کے ساتھ کھانے بیٹھا تو اس کے لئے نیم کے گولے تیار کر کے آگے رکھے گئے۔ اِس قسم کے امور بعض لوگ اختیار کرتے ہیں اور غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کو اپنے باکمال ہونے کا یقین دلائیں مگر اسلام ایسی باتوں کو کمال میں داخل نہیں کرتا۔ اسلام کا کمال تو تقویٰ ہے جس سے ولایت ملتی ہے۔ جس سے فرشتے کلام کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ بشارتیں دیتا ہے۔ ہم اِس قسم کی تعلیم نہیں دیتے کیونکہ اسلام کی تعلیم کے منشاء کے خلاف ہے۔ قرآن شریف تو کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ[1] کی تعلیم دے اور یہ لوگ طیّب عمدہ چیز میں خاک ڈال کر غیر طیّب بنا دیں۔ اِس قسم کے مذاہب اِسلام کے بہت عرصہ بعد پیدا ہوئے۔ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اضافہ کرتے ہیں اُن کو اسلام سے اور قرآن کریم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا یہ خود اپنی شریعت الگ قائم کرتے ہیں مَیں اس کو سخت حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُسوۂ حَسنہ ہیں۔ ہماری بھلائی اور خوبی یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو آپ کے نقشِ قدم پر چلیں اور اس کے خلاف کوئی قدم نہ اُٹھائیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۳ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۳ء صفحہ ۱، ۲)

جہاں انسان واضح طور پر قرآن شریف یا سُنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی کمزوری کی وجہ سے کوئی بات نہ پا سکے تو اس کو اجتہاد سے کام لینا چاہیئے۔ مثلاً شادیوں میں جو بھاجی دی جاتی ہے۔ اگر اس کی غرض صرف یہی ہے کہ تا دوسروں پر اپنی شیخی اور بڑائی کا اظہار کیا جاوے تو یہ ریاکاری اور تکبّر کے لئے ہوگی اِس لئے حرام ہے لیکن اگر کوئی شخص محض اِسی نیت سے کہ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کا عملی اظہار کرے اور مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ[2] پر عمل کرنے کے لئے دوسرے لوگوں سے سلوک کرنے کے لئے دے تو یہ حرام نہیں پس جب کوئی شخص اِس نیت سے تقریب پیدا کرتا ہے اور اس میں معاوضہ ملحوظ نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا غرض ہوتی ہے تو پھر وہ ایک سَو نہیں خواہ ایک لاکھ کو کھانا دے منع نہیں۔ اصل مدّعا نیّت پر ہے نیت اگر خراب اور فاسد ہو تو ایک جائز اور حلال فعل کو بھی حرام بنا دیتی ہے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۳ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۳ء صفحہ ۲)

---

[1] سورة المومنون: ۵۲ [2] سورة البقرة: ۴